

جنگل کا سینہ چیر جانا ہے۔

یہی اصول تھا جس کے تحت خان لیاقت علی خاں مرحوم کے دور کے ان انتخابات میں ہم نے حصہ لیا جن میں سرکاری ملازمین پہلی بار زور شور سے استعمال ہوئے اور دھونس اور دھاندلی کے مختلف طریقے استعمال کیے گئے۔ پھر ایوب خاں صاحب کی بنیادی جمہوریت جس کی شدید مخالفت مولانا مودودیؒ اور ان کے متاثرین نے کی، اور اس دور میں زیادتیاں بھی برداشت کیں، اسی کے تحت ہونے والے انتخابات میں مولانا مودودیؒ کی رضا مندی (بلکہ تقاضے سے) بہت سے محبانِ دین و جمہوریت نے پوری طرح حصہ لیا جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ پھر یحییٰ خان کے مارشل لا کے تحت اور بعد ازاں بھٹو آمریت کے تحت ہونے والے انتخابات میں بھی ہم شریک ہوئے۔ بعد ازاں موجودہ مارشل لا کے تحت بلدیاتی انتخابات میں بھی ہمارے دوست بڑی تعداد میں شریک ہوئے اور بہت سے کامیاب ہوئے۔

یہ سب کچھ اگر جائز تھا، تو آج جو انتخابات درپیش ہیں، ان میں اگر کوئی کمی بیشی رہتی بھی ہے تو اس کے باوجود ہمیں تو یہ سوچنا چاہیے کہ ہم کس طرح اپنا راستہ بنا کر نقشہ سیاست میں بہتر تبدیلی کی کوشش کر سکتے ہیں اور غلبہ دین کے لیے کس حد تک اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

(۲)

کوئی بھی اجتماعیت اس حقیقت کو نظر انداز کر کے قائم نہیں کی جاسکتی، چاہے وہ مسبد کمیٹی ہو یا پارلیمنٹ، یا ریاست کہ افراد انسانی میں مختلف مسائل و معاملات کے

لے صدارتی الیکشن ہوا تو اس میں بھی ہم نے حصہ لیا۔

بارے میں اختلاف ضرور ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہر معقول اجتماعیت وہ طریقہ بھی متعین کرتی ہے جس کے تحت تمام اختلافات کسی ایک خط پر آکر ختم ہو جاتے ہیں، یا اگر عقلی حد تک رہیں بھی تو وہ عملی کام میں حائل نہیں ہوتے۔

اسلامی اجتماعیت نے اختلافات کے بارے میں یہ طریقہ وضع کیا ہے۔

اولین معیار فیصلہ چونکہ یہاں الکتاب اور الرسول ہے، اس وجہ سے جو امور صراحتہ کتاب و سنت کے نصوص سے ثابت ہوں، ان میں کسی کو اختلاف کرنے کا حق نہیں۔ ایسے معاملات میں صرف آمنا و صدقنا کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ منصوص معاملات و مسائل میں اگر راہیں الگ الگ ہو جائیں اور ہر شخص کی تقسیم حلال و حرام اور تمیز جائز و ناجائز جدا جدا ہو تو کسی اجتماعیت کے قائم رہنے یا چلنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱۔ نصوص کی تعبیرات اور ان کے انطباقات میں نقطہ ہائے کافرق ہو سکتا ہے۔ یہ فرق اہل علم و سلف کے قابل احترام و اعتماد مفسرین و محدثین اور فقہاء کی تحقیقات کی مدد سے یہ دلائل واضح کر کے نقطہ اتفاق پیدا کر سکتے ہیں۔ بیشتر معاملات میں اجماع اور قرونِ اولیٰ سے اب تک کا یکساں تعامل امت فیصلہ کن ہوتا ہے۔ مجھ پر بھی اگر تعبیر و تاویل کے جزئی اختلافات رہیں تو وہ اگلی قسم کے مسائل کے سامنے شامل ہو جاتے ہیں۔

اسلامی اجتماعیت کا اصل دائرہ اختلاف تدابیر و مصالح سے تعلق رکھتا ہے۔ کب کیا بات کہی جائے؟ کیا اقدام مناسب ہوگا؟ کس رویتے میں دین کی خیر خواہی اور ملت کی بہبود یا انسانیت کی فلاح ہے؟ کس صورت میں بخیر ایک اسلامی کا چہرہ زیادہ روشن ہو سکتا ہے؟ کس رخ پر چلنے سے دعوتِ حق کی راہیں کھلتی اور آسان ہوتی ہیں؟ کس چیلنج کا کیا جواب دینا مناسب ہوگا؟ کس شخص یا گروہ کے بارے میں کیا رائے رکھی اور بیان کی جائے؟ المہجنوں کے جنگل میں سے کیسے راستہ بنا کر مناسب ہوگا؟ کس شکل میں اجتماعیت کی زیادہ قوت مجتمع ہو سکتی ہے اور وحدت کی صف مضبوط ہو سکتی ہے وغیرہ

اختلافی امور کی اسی دوسری صنف میں تعبیرِ نصوص یا انطباقاتِ احکام کا ہر وہ معاملہ بھی داخل ہو جائے گا جس کا حل اجماع یا تعاملِ اُمرت یا علمائے سلف کی کاوشوں سے نہ ہو سکے۔ اس ذیل کے اختلافی امور کے لیے اصولِ مشاورت مقرر کیا گیا ہے جس کے بعد اور کوئی طریقہ حل اختلافات موجود نہیں ہے۔ یہاں آکر تمام بحثوں کو ختم ہو جانا چاہئے۔

اسلامی مشاورت کے اساسی ضوابط حسب ذیل ہیں:

۱۔ اہم مسائل و معاملات کو اولی الامر دارِ باب مشاورت اور صاحب امر کے حوالے کرنا چاہیے۔ یعنی پہلے سنے اس پر ایسی کھلی بحثیں ہونی چاہئیں کہ مختلف افراد اور گروہوں کے اندر حتمی آراء تشکیل پا جائیں، نہ کسی ایک یا دوسرے نقطہ نظر پر گروپ یا جمیع بن جانے چاہئیں، بلکہ گفتگو میں محض مسئلے کو سمجھنے کے لیے ہوں اور کوئی آدمی کسی خاص رائے کو نہ تو حتمی فیصلے کے طور پر پیش کرے، نہ ایسے فیصلے کے حق میں نجومی *CONVESSING* کہہ کے فضا ہموار کرے اور نہ ہم خیالوں کا جھٹکا بنائے۔

۲۔ جس سطح پر رائے طلب کی جائے، وہاں ہر شخص دیانت داری سے اپنی رائے دے (بلا خوف لومة لائم) کیونکہ کسی شخص کے اندر جو رائے بھی مفادِ دین اور مصلحتِ مسلمین اور خیرِ خواہی انسانیت کے لیے پیدا ہو وہ ایک امانت ہے جو دیانت داری سے ادا کرنی چاہیے۔ اپنی رائے کے حق میں پورے دلائل دیئے جائیں۔ امکانی اعتراضات اور مقابل کے شبہات کے بارے میں وضاحتیں کی جائیں۔ پھر جب آدمی یہ حق ادا کر لے تو وہ اپنی بڑی ذمہ داری سے فارغ ہوا۔ اب یہ کام متعلقہ فرد، افراد یا مجلس کا ہے کہ وہ کشادہ دلی سے غور کریں اور استفادہ کریں۔

۳۔ کسی شخص کو اپنے متعلق عقل کل ہونے کا ادعا اور دوسروں کے مقابلے میں ذہنی برتری کا احساس لاحق نہیں ہونا چاہیے کہ بس جو کچھ میں نے کہا ہے اُسے ضرور مانا جانا چاہیے۔ دوسروں کو بھی حسن نیت سے آراستہ سمجھنا چاہیے اور تسلیم کرنا چاہیے کہ دوسرے

بھی سوچتے ہیں ، دوسروں کے اندر بھی اپنی اپنی آکڑا بھرتی ہیں دوسروں کے دلائل بھی قابلِ توجہ ہوتے ہیں۔ اور دوسروں سے بھی استفادہ کیا جانا چاہیے۔

۴۔ پھر جب ہر طرف سے آراء سامنے آچکیں تو کسی دینی مشاوری مجلس کی فضا جو رنگ اختیار کرے اور ساری مجلس یا اس کی واضح اکثریت جب کسی فیصلے پر پہنچ جائے تو اجتماعی نقطہ نظر کو اس کشادہ دلی سے قبول کر لینا چاہیے کہ جیسے وہ بھی اپنا ہی فیصلہ ہو۔ ذہن میں اگر کوئی اختلافی رجحان باقی بھی رہے تو اسے اجتماعیت پر قربان کر دینا چاہیے۔

علی الخصوص جب سربراہِ کار کی رائے بھی اکثریتی رجحان کے حق میں دو ٹوک طریق سے سامنے آجائے تو پھر سمع و طاعت اور ہم آہنگی کی ذمہ داری اور بھی شدید ہونے لگتی ہے۔

اسلامی اصول مشاوری کے تحت کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اجتماعی فیصلہ ہو جانے کے بعد پھر اپنی جداگانہ اختلافی رائے کا جھنڈا بلند کرے بلکہ یہ بھی درست نہیں کہ اس کے الفاظ یا روایت سے کسی طرح کے تکرار اور بددلی کا اظہار ہو۔

یہ بے طریقہ تفردات کے فتنے سے بچ کر اجتماعیت کو مستحکم رکھنے کا۔ اگر حل اختلاف کے لیے ایسی کوئی آخری حد معین نہ کی جائے تو پھر آدمی کی اختلاف پسند فطرت نہ کسی اتحاد کو قائم رہنے دیتی ہے، نہ کسی اجتماعیت کو چلنے دیتی ہے۔

یہی تمام مخلص خادمانِ دین کی روش رہی ہے، یہی اسلامی نظامِ جماعت کے دستور کا تقاضا ہے۔ اور یہی ۴۳ سال سے ہماری اہل روایت رہی ہے۔

اس اصول و روایت میں خلل ڈالنے کے معنی یہ ہیں کہ ہزاروں افراد کی فرہانیوں سے اسلامیت کے قلعے کی جو تفصیل اٹھائی گئی تھی، اس میں دراڑیں ڈال دی جائیں، اور ساتھ اپنی بنی بنائی ساکھ کو برباد کر دیا جائے۔ محض اپنی "انا" کے سامنے اتنا قیمتی چڑھا واپس کر دینا کوئی اچھی بات نہیں۔

یہ محض خود ساختہ مصلحتی باتیں ہیں، بلکہ معاملے کے ہر پہلو پر الگ الگ دلائل

کتاب و سنت میں موجود ہیں۔ ان سارے دلائل کو جو شاید بیشتر لوگ ہم سے اوجھل نہیں ہیں، میں یہاں دہرانا نہیں چاہتا۔ لیکن اسلامی نظامِ سمع و طاعت کے متعلق متعدد ہم معنی احادیث میں سے صرف ایک کو یہاں نقل کرتا ہوں:

عن جنادة بن ابی امیہ ، قال : دخلنا علی عبادۃ بن صامیت وهو مریض ، فقلنا حدّثنا اَصلَحَكَ اللهُ بحديثٍ یَنفَعُ اللهُ بِهِ سَمِیعَتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، قال : دَعَانَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فبايعنا ، فَكَانَ فِيْهَا اخَذَ عَلَيْنَا اَنْ بَايَعْنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَیُسْرِنَا وَآثَرَةٍ عَلَيْنَا ، وَلَا نُنَازِعُ اِلَّا مَرَأَهُلَهُ ، قَالَ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدُكُمْ مِنَ اللهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ (مسلم)

ترجمہ: ”روایت جنادہ بن امیہ کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم عبادہ بن صامیت کے پاس گئے جو حالتِ مرض میں تھے، پھر ان سے ہم نے کہا کہ اللہ آپ کو شفا دے، ہم سے کوئی حدیث بیان کیجیے۔ جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو اور اللہ اسے باعثِ افادہ بنا دے۔ انہوں نے (جواباً) کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیعت کرنے کے لیے، فرمایا اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے جو اقرار لیا اور جس پر ہم نے بیعت کی وہ یہ بات تھی کہ ہم سمع و طاعت کے پابند رہیں، پسندیدہ صورتوں میں بھی اور نا پسندیدہ صورتوں میں بھی، آسانی کی حالت میں بھی اور تنگی کی حالت میں بھی — اور اس صورت میں بھی کہ ہم دباؤ میں ہوں، اور یہ کہ ہم اختیار کے معاملے میں اہل اختیار سے نزاع نہ کریں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اضافہ فرمایا کہ ”اَلَا یَکُمُ صَرِیحٌ وَنَمَائِیَا کُفْرًا کَ صَدُورًا کُودِ یُکْھَو، جس کے متعلق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل موجود ہو۔“

اس حدیث کو سچے سچے کہ یہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ کسی صحیح دینی اجتماعیت کا معاملہ

عام سیاسی پارٹیوں کی طرح کا نہیں ہوتا، جو چیز چاہی مان لی جس معاملے میں چاہا اختلاف کر کے الگ بیٹھ رہے، دوسروں میں اپنا اختلافی نقطہ نظر پھیلانا شروع کر دیا، بات کو پریس میں لاکر "المدجالس بالامانة" کی تعلیم کو پامال کر دیا۔ دینی اجتماعیت کے نظام امر اور نظم مشاورت اور حدود اختلاف کی خلاف ورزی گناہ ہے جس کے سرزد ہونے کے بعد توبہ کے علاوہ کوئی راہ نجات نہیں۔

اس حدیث (اور ایسی متعدد احادیث) کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعی فیصلوں اور ارباب امر کے احکام کی اطاعت خوشگواہی اور ناخوشگواہی، آسانی اور تنگی کی مختلف حالتوں میں کی جائے گی، بلکہ آدمی جب محسوس کرتا ہو کہ اس کی پہ خلوں رائے اور اس کا محکم استدلال دوسروں کی کثرت رائے یا صاحب امر کے نقطہ نظر کے پوچھ سے دب گیا ہے، تب بھی اسے اطاعت کرنی چاہیے۔ اور ایسا نہیں ہونے دینا چاہیے کہ اس کے روئے، اس کے الفاظ، اس کے لمبے یا چہرے کے رنگ سے بھی دیکھنے والوں کو یہ تاثر ہو کہ اس شخص کو اجتماعی فیصلے یا صاحب امر کے حکم سے کوئی تکدر ہے۔

دوسری اہم بات اس میں یہ ہے کہ اہل امر سے اختیار چھیننے یا اس اختیار کو کمزور کرنے یا اسے کم اثر بنانے کے لیے بحثا بحثی اور شدت اختلاف اور اظہار رنج اور جھٹکا بندی کے ذریعے شتم بھرم بھی کوشش نہ کی جائے۔ جو لوگ شریک مشورت ہوتے ہیں وہ بھی "امر" سے ایک گونہ تعلق رکھتے ہیں، لہذا ان کی اکثریت کے رجحان کو بے وزن اور ناقابل احترام قرار دینا بھی نزاع کی تعریف میں داخل ہے۔ اور سربراہ جو کسی اسلامی نظام جماعت کو چیلانے کی آخری ذمہ داری رکھتا ہے اور پوری جماعت کے سامنے سب سے بڑھ کر جواب دہ ہوتا ہے۔ وہ جب رفقاء مشورت کی بحثیں سن کر ان کے غالب رجحان کی بنیاد پر ایک فیصلہ دیتا ہے کہ یہ بات یوں طے ہوئی تو اس بات کو نہ ماننا یا زبان سے مان کر عمل سے اس کا حق ادا نہ کرنا، یا مثبت سرگرمی کے بجائے منفی انداز سے ذہنی برودت کا مظاہرہ کرنا۔ یہ ساری صورتیں نزاع فی الامر کا مشابہہ رکھتی ہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ حدیث کی رو سے بگڑ جانے یا تہری کرنے یا مختلف رائے سامنے لانے کے لیے صرف ایک ہی حتمی بنیاد ہے، اور وہ یہ کہ کھلے کھلے کفر کا صدور اصحاب امر یا ارباب مشورت کی طرف سے ہو، اور کھلے کھلے کفر کا اطلاق محض جذبات کی بنیاد پر نہ کیا جائے۔ بلکہ آدمی کے پاس اللہ کی طرف سے صاف صریح دلیل ہونی چاہیے۔

یہ ہے کسی اسلامی نظام جماعت میں طاعت کی آخری حد۔ اگر لوگ اس آخری حد کے آنے سے پہلے ہی ہر اختلاف پر ادھر ادھر منہ پھیر لیں تو نتیجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ ایک تیز رفتاری جو چٹانوں کو ریت کی جاتی ہو، کئی دھاروں میں تقسیم ہو جائے اور چھوٹے چھوٹے دھارے اس قابل بھی نہ ہوں کہ راستے میں جمع ہو جانے والے انبار غس و خاشاک کو بہا لے جاسکیں۔ وہی ندی جسے عبور کرنا جان جو کھوں کا کام تھا۔ اب اس کے چھوٹے چھوٹے دھاروں اور باریک باریک نالیوں کو بچے بھی اٹانگئے لگیں گے۔ اختلاف جب اپنی حدود کا پابند نہ رہے تو پھر اجتماعیت کا قائم رہنا ممکن نہیں رہتا۔ سمع و طاعت کے دینی اصولوں اور دینیہ عملی روایات کو اگر توڑا جائے لگے تو پھر کسی فرد کی بھی سربراہی اور کسی مجلس کی مشاورت کی قوت کام نہ کر سکے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم شریعت کے نظام سمع و طاعت، اس کے ضابطہ مشاورت اور اہل ام کے حقوق کو اچھی طرح سمجھیں اور ان کو قدم قدم پر ملحوظ رکھیں۔